رپورتاژ "کوہِ دماوند" میں قرۃ العین حیدر کے اسلوب کا مطالعہ

"Koh-e-Damavand"A study of Qurratulain Hyder's style in Reportage

DOI:https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2024.08022211

حلیمہ بی بی قریشی
Haleema Bibi Qureshi
Visiting Faculty, Department of Urdu Zuban-O-Adab,
Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi

ڈاکٹر اقلیمہ ناز
Dr. Aqlima Naz
Assistant Professor, Department of Urdu Zuban-O-Adab,
Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi

Abstract:

Reportage is one of the nonfictional prose. It has real life stories about real things like human beings, objects, places and events. It is blended with fiction writing techniques. Qurratulain Hyder is an inventive writer of Urdu literature. She is well known and highly appreciated for her unique style of fiction writing yet the same characteristics are also very much true for her nonfictional writing. In this article, her versatility of non-fictional writing will be discussed in the perspective of her reportage "Koh-e-Damavand.". This report was published in 2000A.D consists of two parts. The first part is based on the tourism of Tehran, Isfahan, the Armenian city of Julfa, etc. The second part contains a two-page introduction and the story of the coronation ceremony of Emperor Arya and the queen of Iran, Farah Diba. In the reportage, she has quoted the interview from the country of Iran in a specific way and in a conversational way. Here they have benefited a lot from the history of Iran. Probably her aim was to present the events in a true and honest manner that how did Emperor Arya Mehr divorce his two wives and marry a young Iranian girl, Farah Diba, in Koh Damavand.

Qurratulain Hyder has presented it in a very allegorical manner.

Key Words: Qurratulain Hyder, Koh-e-Damavand, Reportage, nonfictional, Style, history

بنیادی طور پر اسلوب کو تین اقسام "شخصی اسلوب"، "عہد کا اسلوب" اور "اصناف کا اسلوب" میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ شخصی اسلوب ایک شخص کا اسلوب ہے۔ روایت اور جدت کا امتزاج ایک مصنف کو صاحب طرز ادیب بنا دیتا ہے اور وہ ہزاروں کے مجمعے میں اسی انفرادیت، نئی روش، انوکھی طرز اور الگ رجحان کی وجہ سے صاف نظر آتا ہے۔ بقول بوفون اگر اسلوب کو خود شخص ہی مان لیا جائے تو ہر ادیب، شاعر یا فنکار ایک الگ شخصیت لے کر اس دنیا میں وارد ہوتا ہے اور اپنی اسی انفرادیت کی بدولت اس کی تخلیقات میں جداگانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں نہ صرف ادبی سطح پر بلکہ حیاتیاتی سطح پر بھی اسلوب شخصیت کی پرت در پرت عکاسی کا نام ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد کو کائنات میں خدا کے اسلوب کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ سید عابد علی عابد کے مطابق:

> "اسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کا وہ طرز نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممیز ہو جاتا ہے۔ اس انفرادیت میں بہت سے عناصر شامل ہیں۔"(۱)

ہر عہد اپنا خاص اسلوب رکھتا ہے اور گزشتہ عہد سے نسبتاً مختلف الفاظ و تراکیب اور زبان و بیان کی خصوصیات رکھتا ہے۔ کیوں کہ زندہ زبانیں ہر پل تغیر آشنا ہوتی ہیں اور اسی تغیر پسندی کی وجہ سے جہاں بہت سے الفاظ سے بیزاری اختیار کر کے انھیں متروک کر دیتی ہیں، وہیں کئی نئے الفاظ کو اپنے دامن میں جگہ دیتی ہیں۔ تبدیلی و ترقی کا اثر معاشرے میں تہذیب و ثقافت کے ہر پہلو سے عیاں ہوتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی مغلیہ عہد کی مقفیٰ، مسجع، پر تکلف اور پر تصنع نثر اور شاعری کے اسالیب نے سر سید کے زمانے میں سادگی، قطعیت اور استدلالی چولا زیب تن کر لیا۔ فورٹ ولیم کالج کا اسلوب عہد گزشتہ کو نئے دور کے تقاضوں کے ساتھ ڈھالنے اور سمجھنے کی ایک کوشش تھی اور یوں سادہ اور سہل اسلوب کی طرف سفر سیاسی بندشوں اور آزادی رائے پر قدغن کے زمانے میں علامتی سنگ میل پر جا کر رکا۔

اصناف کا اسلوب ادب کی متنوع جہتوں اور کئی رنگوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہر صنف ادب جداگانہ اسلوب کا

تقاضا کرتی ہے۔ خوشی کے جذبات کا اظہار، ان الفاظ، تراکیب، ضرب الامثال، استعاروں اور صنعتوں سے ہو گا جس میں بہجت اور شادمانی جھلکتی ہو۔ ناول کا اسلوب، شاعری، افسانے اور نظم سے جدا ہو گا۔ اسلوب کی تشکیل میں عموماً تین طرح کے عوامل یا عناصر کار فرما ہوتے ہیں۔ خارجی عناصر زبان و بیان کی متوازن خوبیوں میں آشکار ہوتے ہیں۔ زبان اور اس کے صرفی و نحوی نظام، فقروں اور جملوں کی بناوٹ، علم عروض کا ماہرانہ استعمال ، کلام کی تزئین، تراکیب، صنعتیں، تشبیہات و استعارات، ترتیب و تعمیر سب خارجی عناصر یعنی تحریر کی شکل کے زمرے میں آتے ہیں اور تحریر کو فصاحت، بلاغت، سلاست، تاثر، قطعیت، خالصیت، سادگی، پر تصنع و پر تکلف، ایجاز و اختصار کی اسلوبی دولت اور جمالیاتی اوصاف یعنی نغمگی، شعریت، موسیقیت اور ترنم سے سے مالا مال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ انسان کی شخصیت کی تعمیر میں خارجی اور داخلی دنیاؤں کے امتزاج کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ تحریر کے خارجی حسن کے لیے باطنی کیفیات، جذبات، احساسات اور تاثرات و تخیلات کی رنگ آمیزی ضروری ہوتی ہے۔ مصنف کا ذہن، اس کی پسند و ناپسند اس کا معیار، رجحان و میلان، اس کا علم و وجدان، مشاہدہ و تجربہ ، اس کی داخلی کیفیات یعنی خوشی، غمی، مایوسی، جوش، دھیما پن یعنی مکمل ظاہری اور باطنی شخصیت منفرد طرزِ تحریر کی تشکیل میں پوری طرح جلوہ گر ہوتی ہے۔

ہر ادیب یا شاعر کی شخصیت اپنے زمانے کے حادثات اور واقعات کا اثر قبول کرتی ہے اور یہ اثر بھرپور طور سے اس کی تحریروں میں جھلکتا ہے۔ تخلیقات کی تعین قدر میں اس کی عصری حسیت کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔ تخلیق اپنے دور کی سماجی، مذہبی، ثقافتی، تہذیبی، معاشی، روحانی، سیاسی اور تمدنی مزاج کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ تحریک علی گڑھ کے مصنفین کی طرز تحریر اس دور کی خصوصیات یعنی عقل پرستی، نیچرل ازم کے تحت استدلال، منطقیت، افادیت سے مملو تھی۔ ڈاکٹر اعجاز راہی کے مطابق اسلوب کی بنیاد پر ایک عہد کا ادب دوسرے عہد کے ادب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ کسی عہد کی ادبی ، اصلاحی، سیاسی، معاشی، معاشرتی تحریکیں اسلوب کا تعین کرتی ہیں۔ اور تخلیقات کو اس عہد کی روزمرہ زبان سے روشناس کراتی ہیں۔ جس طرح نثری ادب کا اسلوب منفرد ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر نثری ادب کا اسلوب بھی بیانیہ، توضیحی، استدلالی اور مخصوص لفظیات پر مبنی ہوتا ہے۔ غیر افسانوی نثر میں سوانح عمری، سفر نامہ آپ بیتی، وغیرہ بیانیہ اسلوب کے تحت لکھی جاتی ہیں۔ یہ اصناف زمانی ترتیب اور تسلسل کی خوبیاں رکھتی ہیں۔ یادداشتیں، مضمون نویسی، رپورتاژ وضاحت اور تفصیل طلب اصناف ہیں۔ جب کہ مضمون نویسی اور مقالہ نگاری توضیحی طرز بیان کے ساتھ ساتھ استدلالی خصوصیت کی حامل ہیں۔ اسی طرح لفظیات کا انتخاب اسلوب کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سادہ نثر، مشکل نثر، مفرس یا

معرب نثر، علاقائی اور مقامی لفظیات سے مملو نثر۔ مانوس اور غیر مانوس نثر کو لفظیات کی نوعیت ہی متعین کرتی ہے۔

قرۃ العین حیدر کی غیر افسانوی نثر تراجم، رپورتاژ، مضامین، خاکوں اور خطوط نویسی پر مبنی ہے۔ ان کی افسانوی نثر کی طرح غیر افسانوی نثر بھی متنوع خصوصیات کی آئینہ دار ہے۔ کبھی یہ ایک دم سہل ممتنع کی طرز ہوتی ہے اور کبھی بلاغت کی خوبیوں سے لبریز۔ کہیں مختصر جملوں میں معنی کا قلزم پوشیدہ ہوتا ہے اور کہیں سادگی میں پرکاری کی پیوند کاری اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ کہیں کہیں طوالت اور ذو معنویت ابلاغ میں رکاوٹ ڈالتی ہے اور کہیں ادائے اظہار، شائستگی اور شستگی کے جامے میں رواں اور دواں ملتا ہے۔ ظرافت، طنز کی آمیزش لیے ہوئے صورت حال پر لطیف نشتر چلاتی ہے، علائم، استعارات، تلمیحات، تشبیہات اور تراکیب عالمانہ شان کی نقیب بنتی ہیں۔ تاریخی، علمی، ادبی و سماجی حوالے نثر کو موزونیت بخشتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی ان کی غیر افسانوی نثر، افسانوی نثر کی تمام تر خصوصیات کا احاطہ کرتی ہے۔

مختلف ناقدین اور ادبا نے رپورتاژ کی گوناگوں تعریفیں بیان کی ہیں۔ Collins Dictionary میں REPORTAGE کی تعریف اس ضمن میں کی گئی ہے۔

"Reportage is the reporting of news and other events of general interest for newspapers, television, and radio."(۲)

جب کہ قرۃ العین حیدر، "ستمبر کا چاند" کے دیباچہ میں رپورتاژ کی تعریف یوں کرتی ہیں:

"رپورتاژ اور سیدھے سادے سفر نامے میں محض انداز بیان کا فرق ہے۔ رپورتاژ افسانے کی زبان میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں زیب داستان بھی اسی حد تک ہوتی ہے کہ اس سے حقائق کی پردہ پوشی نہ ہو۔ یا واقعات کو غلط رنگ میں پیش نہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر افسانے اور حقیقت کا امتزاج ہمیں یلدرم کے مضمون "سفر بغداد" ملتا ہے جو ۱۹۰۴ میں لکھا گیا۔ اس روداد میں بغداد جانے والے راوی کو راستے میں سند باد جہازی ملتے ہیں جو حالت حاضرہ پر تبصرہ کرنے کے بعد عالمِ اسلام کی ابتر حالت پر آنسو بہاتے ہوئے اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔"(۳)

رپورتاژ میں رپورتاژ نگار کی اپنی ذات بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے، کیوں کہ وہ تمام واقعات کو گہرے مشاہدے کی مدد سے دیکھتا اور پھر پوری جزئیات سمیت افسانوی چاشنی کے ساتھ بیان کرتا ہے اور وہی رپورتاژ پُر اثر ہوتا ہے جس میں واقعات کو حقیقی انداز میں بیان کیا جائے۔ واجدہ بیگم "قرۃ العین حیدر کی رپورتاژ نگاری" کے پیش لفظ میں

لکھتی ہیں:

"کسی ادبی رپورٹ کو رپور تاژ کہا جاتا ہے۔ رپور تاژ نگار کا کردار اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ وہ خود عینی شاہد ہوتا ہے اور واقعات کو گپ شپ کے انداز میں بیان کرتا ہے وہ اپنے شخصی تاثر کو حقائق کی بنیاد پر پیش کرتا ہے وہ واقعات کو جزئیات نگاری کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لمحہ لمحہ کی خبر دیتا ہے۔ ان واقعات کو صحافتی انداز میں اس لیے پیش نہیں کیا جاتا کیوں کہ کسی کانفرنس یا سیمینار کی روداد یا واقعات کو دلچسپ اور افسانوی چاشنی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ واقعہ نگاری کے بیان میں قاری کو بوریت کا احساس ہو گا۔ اسی لیے اس میں ادبی چاشنی کو شامل کر کے دلکش اسلوب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ غرض ان تمام واقعات کی بنیاد حقیقت پر مبنی ہوتی ہے اور یہ واقعات ماضی قریب سے متعلق ہوتے ہیں اس طرح ان تمام خصوصیات کو ملحوظ رکھا جائے تو ایک رپور تاژ تخلیق دیا جا سکتا ہے۔"(۴)

جہاں تک اردو میں رپور تاژ نگاری کے آغاز کا تعلق ہے تو عبدالعزیز "اردو میں رپور تاژ نگاری" میں ترقی پسند تحریک کو رپور تاژ کی پیدائش کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں وہ یوں رقم طراز ہیں:

"ایک آزاد اور مستقل نظری صنف کی حیثیت سے اردو میں رپور تاژ کا وجود ترقی پسند تحریک کی دین ہے۔ اسی تحریک کے زیر سایہ اُس نے آغازہ وار تقاء کے مرحلے طے کر کے اپنے علیحدہ وجود کو منوایا اور جدید نثری ادب میں اپنی ضرورت اور اہمیت کا سکہ جمایا۔"(۵)

قرۃ العین حیدر کی عالمی منظر نامے پر نظر گہری تھی۔ انھوں نے مختلف زبانوں کے ادب کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رپور تاژ کے حوالے سے ان کا اسلوب تخلیقی ہے جس کی کشش اور جاذبیت قارئین کی توجہ منعکس کر لیتی ہے۔ تحریر لکھتے ہوئے کہیں بھی اسلوبی سجاوٹ کا التزام نہیں کرتیں۔ مکالموں، کردار نگاری اور پلاٹ کی موجودگی سے کہیں کہیں افسانوی رنگ در آتا ہے تو کسی جگہ واقعات و کردار کی مدد سے ڈرامائی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ ان تمام وسائل کے لیے وہ کوئی الگ سے اہتمام نہیں کرتیں بلکہ یہ تمام خصوصیات ان کے اسلوب میں قدرتی طور پر تحلیل کیے ہوئے ہیں اور یہی خوبی انھیں اردو رپور تاژ نگاروں میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ واجدہ بیگم "قرۃ العین حیدر کی رپور تاژ نگاری" کے پیش لفظ میں لکھتی ہیں:

"قرۃ العین حیدر ایک عالمی شہرت یافتہ ادیبہ ہیں۔۔۔ ان کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ گہرا ہے۔

ان کے رپورتاژوں میں سیاسی، سماجی، تہذیبی، تاریخی اور مذہبی معلومات کا ذخیرہ فراہم کرتی ہیں۔ ان کے یہاں رپورتاژ نگاری کے اُصول، مثلاً: پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر کشی، واقعہ نگاری، جذبات نگاری اور سفر اور سمینار کی روداد کا بیان وغیرہ جیسی خصوصیات بڑی عمدگی سے ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ زبان و بیان کی خوبیاں اپنے ماحول کا عکس اور معاشرت کی جھلکیاں بھی پوری طرح جلوہ گر ہوتی ہیں۔ رپورتاژ کے فن اور اس کی باریکیوں پر ان کی گہری نظر ہے یہی وجہ ہے کہ زبان و بیان اور فنی خوبیوں کی بدولت ان کے رپورتاژ ادبی دنیا میں اہمیت رکھتے ہیں۔"(۶)

قرۃ العین حیدر، افسانوی نثری صنف کے ساتھ ساتھ غیر افسانوی نثر میں بھی ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ ناول اور افسانے کی طرح پورتاژ میں بھی اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ ان کے گیارہ رپورتاژ ہیں۔ جن میں سے چھ رپورتاژ ان کے مجموعے "کوہ دماوند" میں اکٹھے کیے گئے ہیں۔ ان میں "چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا"، "کوہ دماوند" (ایران)، "گلگشت" (روس)، "خضر سوچتا ہے وُولر کے کنارے" (کشمیر)، "دکن سا نہیں ٹھار سنسار میں"، "قید خانے میں تلاطم ہے کہ ہند آتی ہے" (عالم آشوب) شامل ہیں جب کہ ان کے چار رپور تاژ "ستمبر کا چاند" مجموعے میں "ستمبر کا چاند"، "لندن لیٹر"، "جہان دیگر"، "درچمن ہرورقئ دفتر حال دیگر ست" شامل ہیں جب کہ ان کا ایک اور رپورتاژ "پدما ندی کے کنارے" بھی ملتا ہے۔ ڈاکٹر اِس اِم زیڈ گوہر "اردو میں رپور تاژ نگاری فن اور ارتقا" میں قرۃ العین حیدر کی رپورتاژ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر کا پہلا رپور تار "لندن لیٹر" کے عنوان سے رسالہ نقوش لاہور ۱۹۵۳ء میں چھپا۔ دوسرا پدماندی کنارے رسالہ افکار، کراچی ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ ان کا تیسرا رپورتاژ "درچمن ہرورقی، دفتر حال دیگر ست" رسالہ نقوش، لاہور ۱۹۶۸ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ چوتھا کوہ دماوند رسالہ آجکل دہلی شمارہ مارچ ۱۹۶۸ء میں چھپا۔ سویت روس کے سفر کی روئیداد انھوں نے گلگشت کے عنوان سے لکھی۔"(۷)

رپورتاژ کو عموماً افسانوی نثر خصوصاً ناول اور افسانہ کے ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے۔ جس طرح افسانہ اور ناول میں مکالمہ، کردار، پلاٹ، باقاعدہ ایک آغاز، اختتام اور مجموعی تاثر ہوتا ہے، رپورتاژ میں بھی کم و بیش انہی فنی وسائل کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عبدالعزیز "اردو میں رپور تاژ نگاری" میں اس غیر افسانوی صنف کی فنی خصوصیات کو عین افسانوی نثر کے مماثل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رپورتاژ کا فنی مطالعہ ابھی تک مناسب طور پر نہیں کیا گیا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فنی ساخت کے اعتبار سے ابتداء سے ہی رپورتاژ کو ناول، ناولٹ اور مختصر افسانہ کی قبیل کا سمجھا گیا ہے۔ افسانہ، ناولٹ، ناول کی طرح رپورتاژ میں بھی ایک ارتقائی عمل کرداروں کی تشکیل اور تہذیب ہوتی ہے۔ نقطہ نظر کا مجموعی تاثر، مکالمہ، پلاٹ، ارتقاء، ابتداء اور انتہا انجام سب کچھ افسانے کی طرح ہوتا ہے اس لیے عموماً نقاد افسانہ کی تکنیک و تنقید کے تمام اصول وضوابط رپورتاژ پر منطبق کرتے آئے ہیں۔"(۸)

کوہ دماوند کے ابتدائی اقتباس میں قرۃالعین حیدر کا دلکش اسلوب قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور سرزمینِ ایران کی سیر کروانے کے لیے ایک تمہیدی تصویر کشی سے مدد لی جاتی ہے جس میں منظر کشی کی فسوں کاری کو تشبیہات اور رنگینی اظہار سے مزین کیا گیا ہے۔ یہاں مثالی تصویر کشی کے پردے میں ان کی مرقع نگاری کا دلکش نمونہ قاری کے لیے انمول تحفہ ہے۔ نیلگوں دھندلکے، اودی چوٹیاں، کاسنی بادل، منور رات سب مصنفہ کے تخیل کو قاری کی نظروں کے سامنے لاکر رکھ دیتے ہیں اور وہ الفاظ کی اس مصوری کے سامنے دم بخود رہ جاتا ہے۔ یہاں قاری کی بصری حس کو "متحیر سیاح، مودب خادم" کی تشبیہات سے خوب اچھی طرح محظوظ کیا گیا ہے۔

"جھلملاتے سپید دریچوں کے باہر خشک نیلگوں دھندلکے میں شمر آن کی ان گنت روشنیاں چراغ لالہ کی طرح جھلملا رہی ہیں۔ ان کے عقب میں اودی چوٹیوں پر خسرو عجم کے عظیم الشان برقی تاج جگمگاتے ہیں۔ بادل کوہ دماوند پر سے مؤدب خادموں یا متحیر سیاحوں کی مانند گزر رہے ہیں۔ چند لمحوں بعد یہ کاروانِ سحاب پہاڑیوں کے ادھر توران پہنچ کر ایک اور جشنِ پر شکوہ کا تماشا کرے گا۔ بسیط، منور، بیکراں رات میں یہ کاسنی بادل اندھیرے کیسپین سے اٹھے ہیں۔"(۹)

قرۃالعین حیدر کے اسلوب کا خاصہ رہا ہے کہ وہ قارئین کو اپنی ادبی ثروت مندی کی جھلک دکھانے کے لیے ہمہ وقت چوکس رہتی ہیں۔ ن۔م راشد کے ساتھ ملاقات کو اتنی چابکدستی سے گرفت میں لیا ہے کہ ادبی چاشنی صفحوں سے ٹپکی ہے اور آنکھوں کے رستے دل کے نہاں خانے میں تحلیل ہو گئی ہے۔

"نمائش کی چہل پہل سے کچھ دور اقوام متحدہ کے خیمے نصب تھے۔ وہاں ایک خاموش روش پر

ایک صاحب پہلے نظر آئے۔ صورت کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوئی۔ ایران میں اجنبی۔ن م راشد کہنے لگے۔ میں پچھلی جنگ عظیم میں پہلی بار یہاں آیا تھا۔ برسوں سے یہاں رہتا رہا ہوں۔ میرے دیکھتے دیکھتے ایران کتنا بدل گیا اور ہمارے دیکھتے دیکھتے دنیا کے بہت سے ملک کیسے بنے کیسے بگڑے؟ میں نے جواب دیا۔

"زمانہ جہاں زاد وہ چاک ہے جس پہ میناو جام و سبو اور فانوس و گلدان کی مانند۔"(۱۰)

قرۃ العین کا تخیل بڑا سرسبز ہے وہ حال اور ماضی کو باہم مربوط کرنے کی ماہر ہیں۔ وہ قارئین کو ماضی کی سیر بھی کراتی ہیں اور حال کے مناظر دکھا کر دونوں کے درمیان ایک ہم آہنگی پیدا کرتی ہیں۔ اس کوشش میں بعض اوقات قارئین کی تفریح طبع کا سامان بھی ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ماضی اور حال کے تانے بانے انھیں الجھا دیتے ہیں اور ابلاغ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے:

"البرز کی گونجتی ہوئی چٹانوں پر سیمرغ پروں میں چونچ چھپائے ہوئے اونگھ رہا ہے اور باخبر ہے کہ چند فرسنگ پر کوہ طالقان اور کیسپین کے درمیان پراسرار جنگلوں، چراگاہوں میں براجنے والا لال دیو بغلیں بجاتا ہے کہ ہفت خواں طے ہوئی اور سفید دیو بالآخر مات کھا گیا۔ سفید دیو اور ارژنگ دیو اور شیر اسپ، گستاسپ، جاماسپ، مہر اسپ، ارجاسپ، اسفندیار رستم رہا زمین پہ نہ بہرام رہ گیا۔ بڑی سخت نیند آ رہی ہے۔"(۱۱)

محولہ بالا اقتباس میں، گونجتی چٹانوں، بغلیں بجانا، جیسے صوتی قوتوں کو مہمیز کرنے والے الفاظ کا استعمال قرۃ العین کے اس ارادے کو آشکار کرتا ہے کہ ان کا متنوع اسلوب ہر قسم کا ذوق رکھنے والے قارئین کو متاثر کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ طلعت گل کوہ دماوند کے بارے میں اپنی کتاب "اردو میں رپورتاژ کی روایت،" میں لکھتی ہیں:

"قرۃ العین حیدر نے فرح دیبا کی کہانی کو صرف شہزادی کی کہانی بنا کر پیش کرنے کے بجائے تاریخی حقائق کو دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ شاہی رسوم طور اطوار، لباس، رقص، طعام و قیام، درباری امرا اور ان کی طرز زندگی، ہر چیز کو قرۃ العین حیدر نے ناقدانہ نظر سے دیکھا پرکھا اور تحریر کیا ہے۔ انھوں نے وہاں کے سیاسی حالات اور واقعات کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ رپورتاژ میں زبان و بیان پر ان کی خاص توجہ نظر آتی ہے۔ کاخ سعد آباد کا نقش یوں

کھینچتی ہیں کہ قاری خود کو وہاں موجود پاتا ہے۔"(۱۲)

قرۃ العین کی افسانوی نثر میں لفظیات کا بڑا ذخیرہ انگریزی و ہندی الفاظ پر مبنی ملتا ہے کیوں کہ ان کی افسانوی نثر کے تانے بانے جس سرزمین پر بنے گئے تھے وہاں کی مقامیت اور پھر انگریز سامراجیت کے اثرات کو دکھانے کے لیے اردو میں انگریزی اور ہندی کی اختلاط و تبدل زبان کی روش اختیار کرنا اس صنف، اس عہد اور مصنفہ کی اپنی ذات و انفرادی اسلوب کا تقاضا بھی تھا لیکن "کوہ دماوند" میں ان کی لفظیات نے سرزمین کی مناسبت سے فارسیت کا پیراہن زیب تن کیا ہے۔ قارئین جو فارسی سے نابلد ہیں ان کے لیے اس رپورتاژ کی تفہیم مشکل ہے یوں یہ فارسیت ابلاغ میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ لیکن اہل ذوق اور فارسی کی فہم رکھنے والے قاری قرۃ العین کی سحر بیانی اور شگفتگی کلام پر سر دھنتے نظر آتے ہیں۔ "اے خسرو زمانہ بکشاو چشم و بنگر درنا مہ سکندر اپار ملک دارا"(۱۳)

فارسی اور اردو کی باہم آمیزش "کوہ دماوند" کے ہر صفحے پر ملے گی۔ اسلوب کو شخصیت کا عکس کہا گیا اور یہی اسلوب قرۃ العین حیدر کے علمی پس منظر کا گواہ ہے، موصوفہ کئی ممالک و قریوں کی خاک چھان چکی تھیں اور مختلف زبانوں کے ادب سے روشناس تھیں۔ تراجم کے میدان میں بھی محنت شاقہ کی بدولت خوب مہارت حاصل کی تھی اور دوسروں سے اس ہنر کی داد بھی پائی تھی پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ایران کی سرزمین کے بارے میں رپورتاژ لکھیں اور اسے اپنی علمی بصیرت سے مالا مال نہ کریں۔ ماضی کے حالات و واقعات میں سیاست، ادب، روحانیت، معیشت، جنگ و جدل، سفاکی، امن و آشتی کو مناسب اشارات، استعارات، تلمیحات اور تمثیل نگاری کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کرتی ہیں کہ قاری اس ثروت مندی کی تاب نہیں لا سکتا اور ایک ایک صفحے پر کافی دیر رکا رہتا ہے۔ تحریر کی ادبی لطافت کے لطیف اسرار کی نرمی کو سراہتا ہے اور پھر ایک نئی توقع کے ساتھ صفحہ پلٹتا ہے جہاں قرۃ العین حیدر ماضی کی ایک اور حکایت لیے ملتی ہیں:

> "فرح خانم کی پہلی سالگرہ سے چند ہفتے قبل عالم گیر جنگ چھڑ گئی۔ اتحادی فوجوں نے ایران پر قبضہ کر لیا۔ چرچل اسٹالین اور روزویلٹ طہران کانفرنس کے لیے آئے۔ رضا شاہ کبیر کو تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ انہیں برطانوی جزیرہ ماریشیس جلاوطن کر دیا گیا یہ ایران کے لیے بہت تاریک اور اندوہناک زمانہ تھا۔"(۱۴)

مکالمہ نگاری کا اختصار ان کی اسلوب کی خاص خوبی ہے اور اس کی ذو معنویت اس کی اصل دولت ہے:

"ایک مختصر سی شے نے اندر جھانکا۔ "ہلو"

"ہلو" میں نے تکیے سے سر اٹھایا آپ اور گھبرا کر جواب دیا۔

"مجھے آقائے سیمرغ نے بھیجا ہے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں بے پرندے نے پر پھڑپھڑا کر کہا۔

آقائے... کون؟ میں نے گڑبڑا کر پوچھا۔

خانم۔ آپ ابھی انہیں یاد فرما رہی تھیں: پرند نے ذرا برا مان کر کہا۔ "اوہ"

"موصوف خود نہ آسکے کہ پروتو کول مانع ہے کیوں کہ آپ نے بال کو۔۔۔"

"آگ نہ دکھائی" میں کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

وہ حیرت انگیز پرند اچک کر ٹیلی ویژن پر بیٹھ گیا اور نہایت اخلاق سے گویا ہوا۔

رواق منظرِ چشمِ من آشیانہ تُست

کرم نماو فرود آ کہ خانہ خانہ تُست

ہڑبڑا کر میں نے ذہن پر زور ڈالا اور مناسب جواب دینا چاہا۔

خیر مقدم مرحبا اے طائر میموں قدم

دوسرا مصرع یاد نہ آیا لہذا اس کے بعد "السلام علیکم پر اکتفا کی

وعلیکم السلام" پرند نے تقریباً علی گڑھ کے لہجے میں ڈپٹ کر جواب دیا۔

"معاف کیجئے گا" میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا متعجب نظر آرہی ہوں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ جیسا پرند میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

خانم! آپ بجا فرماتی ہیں۔ خاکسار عنقا ہے۔"(۱۵)

محولہ بالا مکالمے میں قرۃ العین حیدر نے ایک پورا منظر نامہ بُنا ہے اور دیومالائی عناصر سے لے کر ترقی یافتہ عہد کی رسوم و رواج اور جدت کو بطور خاص اس میں ظاہر کیا ہے۔ ڈرامائیت اس کے ایک ایک لفظ میں سرایت کی ہوئی ہے جو قاری تک مِن و عن پہنچتی ہے اور وہ اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے ہر دم تیار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قرۃ العین حیدر

نے آقائے سیمرغ، خانم خارجی، موسیو، مادموزیل، جیسے القابات جو سرزمیں فارس کے علاوہ فرانس کی زمین سے متعلق ہیں اور ان قوموں کی روزمرہ گفتگو میں دخیل ہیں اپنے مکالموں میں پروئے ہیں۔ "ٹیلی ویژن" کو "تلویزیوں"، "ہوٹل" کو "ہتل"، "ٹیلی فون کو "تلفون" اور "پروٹوکول" کو "پروتوکول" لکھا ہے جو ان کے فارسی تلفظ سے آشنا ہونے کی دلیل ہے۔ لکھتی ہیں کہ "طہران- جسے اب اہل ایران، تہران لکھتے ہیں کہ ط عربی حرف ہے۔"(۱۶)

قرۃالعین حیدر کے اسلوب کی ایک اور خوبی شگفتہ ظرافت ہے جو شادابی اور شائستگی کے ساتھ لطیف طنز کے دائرے میں رہتی ہے اور مذاقِ سلیم مضحکہ خیزی اور پھکڑ پن تک نہیں پہنچتا۔ الفاظ کا انتخاب، ذوق سلیم کا گواہ اور طرز تحریر الفاظ کے دروبست کی موزونیت کی عکاس ہے۔ طنز کی ہلکی ہلکی لہر مکالموں اور بیان میں موجود رہتی ہے اور نشتر کی تکلیف سے قاری کو بچاتی ہے۔ نثر کے دو نمونے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ "مسجد کے صحن میں اسکول کے بچوں کے ایک گروہ نے ہمیں گھیر لیا۔ یونیفارم میں ملبوس فرنچ اور فارسی بولتے بچے اپنی استانی کے ساتھ سیر کرنے آئے تھے۔

"بتاؤ ترکی کہاں ہے؟" احسان نے ان سے انگریزی میں پوچھا۔ استانی نے سوال کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ایک سرخ گالوں والے بچے نے ترکی بہ ترکی جواب دیا:

وہیں ہے جہاں اسے ہونا چاہیے۔"(۱۷)

۲۔ "آقائے عنقا اب تازہ فارسی رسالوں کے انبار پر فروکش تھے۔ اچانک اپنے پنجوں کے نیچے ایک رنگین تصویر پر ان کی نظر پڑی اور وہ فوراً پھدک کر کاشانی قالین پر آئے اور اٹنشن کھڑے ہو گئے کہ وہ شاہ کی تازہ ترین تصویر تھی۔ اس محیر العقول صورت حال کے باوجود مجھے ہنسی آگئی۔

"آپ کو معلوم ہے آقائے عنقا کہ عین اس لمحے ماوراء النہر کے ادھر کیا ہو رہا ہے؟

میں نے دریافت کیا۔ کیا ہو رہا ہے؟ عنقا نے پینترا بدل کے اب تلویزیوں کا رخ کیا۔

"اس پار" میں نے دریچے میں جا کر سلسلہ کوہ کی طرف اشارہ کیا "عین اس وقت سلطانی جمہور کا جشن تاسیس منایا جا رہا ہے۔"

"آپ کے آئینہ اسکندر کا حجم بہت مختصر ہے "ارباب ہتل کو تلقین کیجیے کہ آپ کے حجرے

میں دوسرا آئینہ لگا دیں۔

میں اس مسخرے پرند کو کہاں بخشنے والی تھی اپنی بات پر اڑی رہی۔ نغمہ بیداری جمہور کا بلستان زابلستان، مارزنداران، آذربائجان سب جگہ دیکھ لیجئے گا بہت جلد جس طرح داغستان، کرغستان، قزاقستان"

"اور ہندوستان اور پاکستان" عنقا نے چالاکی سے پوچھا۔

"گلستان بوستان" میں نے فوراً بات ٹالی "سبحان اللہ! ماشاءاللہ!" عنقا نے جواب دیا۔

"ساری اولاد آدم۔" میں نے خطیبانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

"آقائے آدم نے تو جوٹ ملیں قائم کر لی ہیں اور ادبی ا نعام دیتے ہیں۔" عنقا نے بات کاٹی۔"(۱۸)

محولہ بالا مکالموں میں عصری صورتحال کی عکاسی تلمیحات اور الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے کی گئی ہے۔ قرۃ العین حیدر عالمی سطح پر پنپتی ہوئی سیاسی اور انقلابی ناہمواریوں پر طنزیہ انداز میں خامہ فرسائی کرتی ہیں اور چند صفحات پر ایک فرضی پرندے کے ساتھ، ذومعنی، پر مغز اور بلیغ مکالموں کے ذریعے اپنی سیاسی بصیرت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اور قارئین کو بھی اس دانش مندی سے روشناس کراتی ہیں۔

"خانم" عنقا نے سنجیدگی سے کہا: مسلمان ہمیشہ مسلمان کا ساتھ دے گا تازیوں کے ان مصائب پر ہم خون کے آنسو رو رہے ہیں پھر اس نے دوسری چینل لگائی اسکرین پر دفعتاً تاج شاہی کا کلوز اپ جگمگانے لگا اعنقا مسحور سا ہو کر پھر اٹینشن کھڑا ہو گیا۔"(۱۹)

اس ایک جملے میں قرۃ العین حیدر نے عالم اسلام کی مشکلات اور مصائب پر اپنے دلی کرب کا اظہار کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی فوراً اعنقا کے اٹنشن ہونے کی دوبارہ تصویر کشی کرتے ہوئے صورتحال کی سفاکی کو بھی آشکار کیا ہے کہ ایک خطے میں مسلمان خانہ جنگی کا شکار ہیں اور دوسرے خطے میں مسلمان ان کے کرب کو بھلا کر تاج پوشی کی شاندار تقریبات میں مست و بے خود ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے اسلوب کا ایک اور ممتاز پہلو اثر آفرینی ہے اور یہ ان کی تحریر میں ان مواقع پر زیادہ نمودار ہوتی ہے جب وہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند کو لاشعوری طور پر کسی جملے میں روانی سے لکھ جاتی ہیں۔ نمونہ ملاحظہ کیجیے:

"طہران میں آب رسانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ گھروں میں غسل خانے نہیں تھے۔ لوگ نہانے کے لیے حماموں میں جایا کرتے تھے۔ یہ حمام ایک قسم کے کلب بھی تھے جہاں لوگ پاگ جمع ہو کر گپ شپ کرتے۔ اس حمام میں جہاں فرح خانم کے گھرانے کی خواتین جاتی تھیں۔ ایک بہت بوڑھی عورت ملازم تھی۔ وہ ہمیشہ پرانے ایرانی لوک گیت گنگنایا کرتی تھی۔ فرح خانم کو نہلاتے ہوئے وہ اکثر ایک فارسی گیت گاتی جس کا مطلب تھا کہ ہم تمہیں کسی کو نہیں دیں گے ۔ بادشاہ اگر اپنے وزیر اور سارے درباری اور سارے گھوڑے لے کر تمہیں اپنے محل لے جانے آیا تو اسے بھی نہیں۔

"جس وقت بادشاہ اپنے سارے وزیر، سارے درباری اور سارے گھوڑے لے کر آپ کو اپنے محل لے جانے کے لیے آیا، آپ کو وہ بوڑھی عورت یاد آئی تھی" میں نے پوچھا۔"(۲۰)

رائے زنی اور تبصرہ نگاری میں بھی ان کا اسلوب موزوں اور متوازن رہتا ہے اور بے لاگ اور فی البدیہہ تبصرہ کبھی بھی تلخ اور سفاک نہیں ہوتا۔ چند جملوں میں اپنی بات کہہ کر کسی اور موضوع کی طرف نکل جاتی ہیں اور قاری کو ساتھ چلنے کے لیے ذہن کو چوکس رکھنا پڑتا ہے"

"لیکن زائیدہ رود یعنی زندہ رود نہایت اینٹی کلامیکس نکلی۔ ایک پتلی سی مٹیالی ندی اور اس پر شاہ عباس کبیر کا بنوایا ہوا حسین پل جس طرح لینن گراڈ پیٹر ا اعظم کا شہر ہے۔"(۲۱)

ان کی قوت مشاہدہ کمال کی ہے اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے علم کو ان کا فعال ذہن فوراً تفہیم میں بدل دیتا ہے جس پر ردعمل ایک دم صفحہ قرطاس پر خود کلامی / زیر لب سرگوشی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے:

"یہ دنیا کی سب سے بڑی، سب سے شاندار مسجد ہے۔ ایک بچے نے مجھ سے کہا۔

قوم پرستی۔

"انھوں نے دلی کی جامع مسجد نہیں دیکھی"۔ پترکار نے مجھ سے چپکے سے کہا۔

قوم پرستی۔

"اس مسجد کی ساری حسن کاری آذربائیجان کے ترک صناعوں نے کی تھی" احسان نے چپکے سے کہا:

قوم پرستی۔[۲۲]

قرۃ العین حیدر کے اسلوب کی نمایاں خوبی مرقع نگاری اور اور محاکات نگاری ہے وہ کسی واقعہ یا منظر کی "مثالی تصویر کشی" بھی کرتی ہیں اور کسی واقعہ یا منظر کی "حقیقی تصویر کشی" بھی ان کے اسلوب کا گراں قدر اثاثہ ہے۔ لیکن مرقع نگاری ہو یا محاکات نگاری دونوں کے ساتھ جغرافیائی اور تاریخی حوالے اور زیریں سطح پر ہم رکاب طنز کی لطیف رو "کوہ دماوند" کے ہر صفحے پر موجود ہیں۔

> "قصر چہل ستون میں اطالوی کاریگر قدیم فریسکیو ٹھیک کرنے میں مصروف تھے۔ ایک فریسکو میں شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں ہمارا ہمایوں بے چارہ سانولا اور چھوٹا سا، ایرانی بادشاہ کے سامنے دوزانو بیٹھا ہے اس کے مغل امرا بھی سانولے چھوٹے سے سامنے رقاصہ ناچ رہی ہے ملٹری ایڈ لینے آیا تھا۔ مل گئی۔"[۲۳]

"ہمارا ہمایوں" بھی معنویت سے خالی نہیں رضا شاہ پہلوی کا "ولی عہد ہمایوں" اور "ہمارا ہمایوں" دونوں تاریخ کے اہم کردار ہیں اگرچہ مختلف تاریخی صفحات پر متمکن ہیں۔ اس تاریخی اور جغرافیائی حوالے کی ذو معنویت اور بھی لطف دیتی ہے جب اس کے فوراً بعد یہ جملے سامنے آتے ہیں۔ "ہمارے مغل مصوروں نے اپنی تصاویر میں صفوی بادشاہوں کو منحنی دکھایا ہو گا" میں نے جواب دیا۔[۲۴]

قرۃ العین حیدر کے اسلوب کی دلکشی ان کے موضوعات کے انتخاب میں بھی چھپی ہے انھوں نے "کوہ دماوند" کو مختلف عنوات کے تحت تقسیم کیا ہے۔ جن میں سنڈریلا کہانی۔ کاخ سعد آباد، نوشتہ من ایں نامہ پہلوی، اصفہان نصف جہان، شاہنامہ اور کنٹری کلب، شاہی بالکنی، کیپٹن سہراب دیبا، بالو اور بگیرا، ہالینڈ پویلین — پیرس، رضا شاہ کبیر اور سلطان تاج الملوک، شمران کی ایک سنہری شام، تخت طاؤس، ایرانِ نو کی نئی خانم، دفتر مخصوص علیا حضرت، امام زادوں کی دنیا، ایرانی عوام، کاخ نیاوراں، شامل ہیں۔ یہ متنوع عنوانات تاریخی، جغرافیائی اور ادبی معنویت سے معمور ہیں اور ان کے انتخاب میں مصنفہ کی انفرادیت، عصری اسلوب اور خارجی عناصر پوری طرح جلوہ گر ہیں۔

قرۃ العین حیدر کا غیر افسانوی نثری اسلوب دراصل مغرب کی مجتہدانہ تقلید کا عکاس ہے۔ شاہ بانو فرح دیبا کی پیدائش کو شعور کی رو کے ساتھ بیان کرتے ہوئے وہ اپنی نثر کو ایک جداگانہ طرز دیتی ہیں اور قاری کو متن کا مفہوم اخذ کرنے اور واقعات کے تسلسل کو سمجھنے کے لیے شعوری کوشش کرنی پڑتی ہے۔ "کوہ دماوند" کا عالمانہ ،

فارسیت، ادبیت، تاریخیت، جغرافیت سے معمور تلمیحی، تمثیلی، محاکاتی، بیانیہ اسلوب قاری کو نثر کی رنگارنگی سے متعارف کراتا ہے لیکن ہر رنگ یوں آمیخت ہے کہ قوس و قزح کا گمان ہوتا ہے۔ یہ نیرنگی بیاں فرح دیبا کی پیدائش کے واقعے میں بھی موجود ہے۔ دو مختلف جگہوں پر ہونے والے واقعات کو ایک ہی مسلسل تحریر میں لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ طرز جداگانہ طرفگی اور سہل زبان میں ہونے کے باوجود قرات متن میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ عظیم الشان صدیقی ان کے اسلوب کی پیچیدگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ان کے افسانوں اور ناولٹ میں غیر ضروری تفصیلات اور جزئیات، منظر کشی، فلسفیانہ موشگافی، مغربی ادیبوں کے حوالے اور دستاویزی شواہد اگرچہ ان کے وسیع مشاہدے و مطالعے اور تاریخی شعور کی غمازی کرتے ہیں اور ان سے واقعات اور کردار کی صداقت کو تقویت پہنچتی لیکن ان کی تخلیقی حیثیت اس طرح کمزور ہو جاتی ہے کہ قاری کی تاثر پذیری مرعوبیت میں تبدیل ہو کر افسانے کے حسن اور وحدت تاثر کو زائل کر دیتی ہے۔ جس میں رومانیت کی پیوند کاری مزید تضاد پیدا کرتی ہے۔ جس کا اصل واقعے یا قصے سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہوتا اور خارج سے باطن کی طرف یہ اچانک تبدیلی، گہری داخلیت، خود کلامی، شعور کی رو، آزاد تلازمہ خیال اور گہری استعاریت قاری کے لیے الجھن کا باعث بنتی ہے۔"(۲۵)

قرّۃ العین حیدر کے اسلوب کے بارے میں عظیم الشان صدیقی نے جو موشگافیاں کی ہیں ان کا اکثر و بیشتر عکس ان کے اس رپورتاژ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کیپٹن سہراب کی اور دیگر گھر والوں کی مصروفیت کا تذکرہ کیا ہے اور فرح دیبا کے پیدائش کے واقعات بتائے ہیں۔ باپ کا اضطراب اور باقی لوگوں کی سرگرمیوں کی تصویر کشی ایک منظر سے دوسرے منظر تک چابک دستی سے کی گئی ہے۔ منظر کشی کے دوران دو تین مناظر کو ملا کر ایک collage بنایا گیا ہے۔

> "بچی جمعہ ۱۵ اِکتوبر کی شام امریکن ہسپتال میں پیدا ہوئی امریکن مشنری ڈاکٹر ملک ڈاول نے باہر آکر کیپٹن کو مبارکباد دی۔ بہت رات گئے جب کیپٹن کاخ اسٹریٹ واپس آئے سیلون میں بہت سے رشتے دار اس وقت تک جمع تھے۔ ایک خاتون اسی شام رئیس کورس سے واپس آئی تھیں۔ جہاں ولی عہد ہمایوں محمد رضا پہلوی نے عرب ترکمان اور بختیاری گھوڑوں کی دوڑ ملاحظہ کی تھی۔ ریس کورس پر ایرانی خواتین نے چوڑے چھجے والی ٹوپیاں اوڑھی تھیں جو اسی سال

انگلستان کی ڈچز آف کینٹ نے ولایت کے اعلیٰ فیشن طبقے میں رائج کی تھیں۔ یہ ایران کے اوپری طبقے کی خواتین تھیں۔ بے پردہ، تعلیم یافتہ اور مغرب کی طرف دیکھنے والی۔ اوراتاترک کی طرح رضا شاہ کبیر نے یہ نیا سماج پچھلے چند سال میں تخلیق کر ڈالا تھا۔ ملاؤں کے اثر اور خوف سے آزاد لیکن نجی طور پر مذہب فراموش نہیں کیا گیا تھا۔ چند روز بعد بچی ہسپتال سے کاخ سٹریٹ لائی گئی۔ جب دستور قرآن شریف کے سائے میں اسے گھر کے اندر داخل کیا گیا۔ مختلف ایرانی رسوم ادا ہوئیں۔ نام فرح رکھا گیا۔ دس روز بعد ۲۵ اکتوبر ایک اور قومی تعطیل تھی۔"(۲۶)

قرۃ العین حیدر کے اسلوب کی ایک اور اہم قدر ان کا اپنی تخلیق کو منفرد بنانے کا لاشعوری جذبہ اور شعوری کوشش ہے۔ جس کے لیے انھوں نے "کوہ دماوند" کے آغاز کو دیومالائی اساطیری طرز سے لکھنا شروع کیا۔ پورے رپورتاژ میں "شاہبانو، علیاحضرت، زنِ شاہ ہستم فرح دیبا" کی کہانی کو تاریخی حوالوں کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور آغاز جتنا منفرد اور عالمانہ کیا۔ اختتام کو اس سے بڑھ کر انتہائی اثر آفریں بنایا کہ قاری ان کے جذبات اور احساسات کی گہرائی اور گیرائی کو محسوس کیے بغیر نہیں رہتا۔ تلمیحات، تاریخ، جغرافیہ، لسان، عصر، مستقبل کتنے دریچے ہیں جو زیستِ آدم کی گوناگوں وادیوں کی طرف کھل کر ان کی رنگینی و سنگینی کو تخیل کی ماورائی دنیا سے ٹھوس حقیقت میں مرتسم کرتے ہیں:

"مرحوم شاہ فاروق کیا ۶۴ میں پٹرو ڈالرز کی بات کہہ گئے کہ بادشاہ صرف پانچ بچیں گے۔ تاش کے چار اور پانچویں شاہ برطانیہ مجھے یاد آتا ہے۔ اکتوبر ۶۷ء میں جشن تاجگذاری کے بعد جب میں ہلٹن سے ایرپورٹ روانہ ہو رہی تھی۔ اُسی وقت بمبئی کے ایک امریکن دوست مل گئے جو چند گھنٹے قبل تہران پہنچے تھے۔ شہر روشنیوں سے بقعہ نور ہر طرف شاہ شاہ بانو اور ولی عہد ہمایوں کا چرچا انھوں نے آنکھیں پھیلا کر مجھ سے کہا۔

"GEE THIS KING BUSINESS IS A BUSSINESS"

اور آج ۵ جنوری ۱۹۷۹ کے روز جب ایران میں تخت طاؤس ڈانواڈول ہے، پرانے کاغذات میں سے وہ شاندار دعوت نامہ نکلا۔

بیاری پروردگار توانا۔ مراسم فرخندہ تاجگزاری اعلیٰ حضرت محمد رضا پہلوی آریہ مہر شاہنشاہ

ایران وعلیا حضرت فرح پہلوی شاہ بانوے ایران در کاخ گلستان بر گزار یشود۔۔۔۔۔۔۔
لیکن وقت کی دیوار پر جو حروف نمودار ہوتے ہیں کیا ان کو پڑھنے کے لیے اب بھی کسی دانیال
نبی کی حاجت ہے؟"(۲۷)

بحیثیت مجموعی قرۃ العین کے تمام رپورتاژ عمومی اور "کوہ دماوند" بالخصوص رپورتاژ کے فنی اصولوں کی بہترین مثال ہیں ۔ اس رپورتاژ میں کردار نگاری، جذبات واحساسات کی ترجمانی، جزئیات نگاری، تہذیب و معاشرت کی جھلکیاں، تاریخ کا صداقت سے بیان، واقعہ نگاری، منظر نگاری کی خصوصیات، زبان و بیان کی متنوع رنگوں میں گندھی ملتی ہیں۔ یوں "کوہ دماوند" اپنے اسلوب کی جملہ خوبیوں کی بنا پر ایک کامیاب اور پر اثر رپورتاژ بن جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، اسلوب، علی گڑھ: علی گڑھ بک ڈپو، ۱۹۷۶ء، ص:۱۳۴۔۱۳۵
۲۔ بتاریخ:۱۰ مئی ۲۰۲۴، بوقت:۱ بجے سہ پہر
https://www.collinsdictionary.com/dictionary/english/reportage#:~:text=Reportage%20is%20the%20reporting%20of,%5Bformal%5D
۳۔ قرۃ العین حیدر، (دیباچہ) ستمبر کا چاند، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص:۸
۴۔ واجدہ بیگم، قرۃ العین حیدر کی رپورتاژ نگاری، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص:۱۵
۵۔ عبدالعزیز، اردو میں رپورتاژ نگاری، دہلی: مکتبہ شاہراہ، ۱۹۵۲ء، ص:۷
۶۔ واجدہ بیگم، قرۃ العین حیدر کی رپورتاژ نگاری، ایضاً، ص:۷
۷۔ اِس اِم زیڈ گوہر، ڈاکٹر، اردو میں رپورتاژ نگاری فن اور ارتقا، بہار: سرشٹی پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۲۲
۸۔ عبدالعزیز، اردو میں رپورتاژ نگاری، ص:۲۳۔۲۴
۹۔ قرۃ العین حیدر، کوہ دماوند، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص:۲
۱۰۔ قرۃ العین حیدر، کوہ دماوند، ص:۶۸
۱۱۔ ایضاً، ص:۴۵
۱۲۔ طلعت گل، اردو میں رپورتاژ کی روایت، دہلی: نیو پبلک پریس، ۱۹۹۲ء، ص:۹۱
۱۳۔ قرۃ العین حیدر، کوہ دماوند، ص:۶۱

۱۴۔ ایضاً، ص:۹۸

۱۵۔ ایضاً، ص:۴۵۔۴۶

۱۶۔ ایضاً، ص:۵۴

۱۷۔ ایضاً، ص:۶۶

۱۸۔ ایضاً، ص: ۴۶۔۴۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۴۸

۲۰۔ ایضاً، ص:۹۸

۲۱۔ ایضاً، ص:۶۶

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً، ص:۶۶۔۶۷

۲۴۔ ایضاً، ص:۶۷

۲۵۔ عظیم الشان صدیقی، قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری (پت جھڑ کی آواز کے آئینے میں)، مشمولہ: قرۃ العین حیدر۔ ایک مطالعہ از پروفیسر محی الدین بمبئی والا، نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۹ء، ص:۳۵

۲۶۔ قرۃ العین حیدر، کوہ دماوند، ص:۹۶

۲۷۔ ایضاً، ص:۱۴۶